فقیر کے شاگردوں میں سے ہے۔ موزوں طبع تھا۔ تاریخ گوئی میں مہارت رکھتا تھا۔ لکھنؤ چلا گیا اور گویا وہیں کا ہو گیا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

ہے محو آئینہ ساں سارا جہاں تیرا — منہ دیکھیے کیوں نہ ہر اک اے مری جاں تیرا
شمع ہر بزم نہ ہونا ہرگز — دل جلوں کا بھی کیا کیجیے گا
اپنے کوچے کو خار بست کیا — یہ نہ جانا برہنہ پا ہیں ہم
سینہ و دل کو میں کرتا ہوں کدورت سے صفا — کس کی آمد ہے الٰہی کہ یہ گھر جھڑتے ہیں
نرگس کا پھول بھیجیے نامے میں یار کو — معلوم تا کرے وہ مرے انتظار کو
وابستہ محبت تھی پیماں کی درستی پر — دل ٹوٹ گیا میرا تم عہد شکن نکلے

پھول جھڑتے ہیں ترے منہ سے مری آنکھوں سے
حسن اور عشق کی کیا خوب گل افشانی ہے

موزوں

موزوں تخلص اور نام چھترسنگھ ہے۔ دہلی کا رہنے والا ہے۔ قوم کا کائستھ ہے۔ خود کو مادھورام کا نواسہ بتاتا ہے کہ جس کی تحریریں چھوٹے بچوں کے لیے ہیں۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

بیت ابرو کو تری دیکھ کے اے مطلع حسن
جو ترے کوچے سے نکلا سو غزل خواں نکلا

موج

موج تخلص اور نام خدا بخش ہے۔ مشہور مغنیوں میں سے ہے۔ اکبرآباد میں رہتا تھا اور اپنے فن میں اچھی مہارت رکھتا تھا۔ بیشتر دہلی میں رہا ہے۔ کئی بار میرے پاس آیا۔ خوش صحبت اور ظریف انسان تھا۔ چند سال قبل لکھنؤ میں انتقال کر گیا۔ موزوں طبع تھا۔ کبھی کبھار شعر بھی کہہ لیتا۔ یہ شعر اس

کا ہے:۔ لاکھوں کٹوا دیئے سر آن میں ہنستے ہنستے
اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مونس

مونس تخلص اور نام حکیم سعادت علی ہے۔ سادات کرام میں سے ہے۔ بنارس کا رہنے والا ہے۔ نیک طینت اور لطیف طبع، ہنستے ہوئے چہرے اور پر مذاق طبیعت کا انسان ہے۔ بلند شہر میں ایک تقریب میں میری ملاقات ہوئی تھی بلکہ دونوں جانب سے محبت اور دوستی کی راہیں ہموار ہوئیں۔ بعد شفاء الاطبیب ہے۔ کبھی کبھی شعر گوئی کیا کرتا تھا لیکن اب مطلقاً شعر گوئی کی جانب توجہ نہیں ہے۔ پھر بھی جو بعض اشعار اس نے کہے اور سنائے۔ تذکرہ کے طور پر ان میں سے ایک شعر لکھا جا رہا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:۔

زماں جوش گریہ ہچکیاں لینے لگا مونس
خلل انداز ہے اب نالۂ شب گیر میں آنسو

مومن

مومن تخلص، شعر گوئی کی کان کا لاقیمت ہیرا، معانی کے سمندر کا نایاب موتی، شاعری کی سلطنت کا بادشاہ، اس فن (یعنی شاعری) کا درجہ بلند کرنے والا، ہوش و خرد کی شراب کا جام گردش میں لانے والا، دلکش اور دل کو لبھانے والے نغمات کا مغنی، پیچیدہ معانی کے بلند مقام کا مالک، بیان کے جملہ اوصاف کا آفتاب، نکتہ دانی کا آسمان، زمانے کے نشیب و فراز کے اسباب کا جاننے والا، فلسفہ کو پروان چڑھانے والا شاعر، بات کو واضح کرنے والا، فلسفی اپنے عہد کا بے مثل، اپنے وقت کا بے مثال، بہت سے فنون (کو اپنی ذات میں) جمع کرنے والا، حکیم محمد مومن خاں جن کو اللہ نے مختلف فنون

میں کمال حاصل کرنے کی خوب استعداد عطا کی ہے۔ انھوں نے کمال مہارت اور اس کے لیے استعداد کو اپنے نفس میں بخوبی سمو لیا ہے اور یہی وجہ ہے ان کے گلستانِ دل کے چشموں سے بے پناہ علم و فضل کے دریا جاری ہیں بڑے اور نامور خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے فضائل اور عظمتیں حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔ اس کی بڑی بڑی خوبیوں اور پوشیدہ کرامتوں کا شمار تحریر کے بس کی بات نہیں ہے اور ان وجوہات کی بنا پر یہ مختصر تحریر ہرگز کسی تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی کیونکہ میری لکنت والی زبان پر مرغ گلستاں کا نغمہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے اور یہ میرا ٹیڑھا میڑھا بیان گویا خوش آواز طوطی کی بندھی ہوئی منقار کی گریہ گفتاری ہے گذرے ہوئے لوگوں کی داستانیں کہ جو بڑے طمطراق سے دنیا کے گوش گذار ہوئی تھیں۔ جان بوجھ کر سب نے بھلادی ہیں اور بیشتر لوگوں کی کہانیاں کہ جو ہزار دھوم دھام کے ساتھ اوراق زمانہ پر نقش ہیں بھولے سے یاد نہیں آتی ہیں۔ عربی ضرب المثل ہے کہ مالا یدرك کلمہ لا یترك کلمہ یعنی جب سب کچھ نہ پاسکے تو سب کچھ ترک بھی نہ کردے۔ ان اشعار سے نشان ملتا ہے کہ کمالات کے حساب سے ان کی شاعری جس میں غضب کا تنوع ہے دراصل دوہرے مرتبہ کی حامل ہے۔ لیکن چونکہ بات اس فن (یعنی شاعری) کی ہے بیچارو گردانی نہ کی جائے (تو صاف نظر آتا ہے) کہ اس کی جادو جگانے والی زبان سحر کو معجزہ کے درجے پر پہنچاتی ہے اور اس کی دل پذیر شاعری میں اختصار طوالت کے ہم پایہ ہوتا ہے (یعنی کوزے میں دریا بند) اس کی موتی لٹانے والی طبیعت سے (بصورت اشعار) قطرہ ہائے نیساں کی بارش ہوتی ہے جس سے مفلسوں کی جیبیں، آستینیں اور دامن جواہرات سے بھر بھر جاتے ہیں۔ وہ جب بہار کا خیال باندھتا ہے تو اس کی پھول بکھیرنے والی طبع چمن چمن پھول کھلا دیتی ہے اور دیکھنے والوں کے سامنے باغ جنت جلوہ دکھانے لگتا ہے۔ وہ یکتائے علم

اپنی انوکھی جنبش کے ساتھ ماہتاب کے مانند رواں ہے اس کی شمع فکر کی روشنی سے نامحسوس زرات اس طرح روشن نمایاں اور قابل اعتناد ہوجاتے ہیں جیسے خورشید عالم تاب کی ضیا کے انعکاس سے لاتعداد ستارے چمک اٹھتے ہیں اس کے سامنے کائنات (شعر) کو زینت بخشنے والا انوری نبات النعش کے ایک ستارے سُہا کے مانند (کم قیمت) ہے اور اس کے دربار میں خداوند فریدون نژاد خاقانی ایک ادنٰی درجہ کا خادم ہے اور اس کے خوان نعمت کے بہت سے وظیفہ خواروں میں سے ایک ہے اور بوفراس اس کے میدان تکریم میں اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلنے والوں میں سے ایک ہے۔ وہ لوگ کہ جو بڑھ بڑھ کر اور زور شور سے ہمہ دانی کے دعوے کرتے ہیں۔ اس جناب کے روبرو، ہیچ مدانی کے نغمے الاپتے نظر آتے ہیں اور فصاحت کے دعوے دار اس کے سامنے لب بند رکھتے ہیں اور اگر زبان کھولتے بھی ہیں تو ہکلاتے ہیں اور ان تمام بیان کی گئی صفات کے باوصف کی محرک سے تحریک پائے بغیر فکر سخن نہیں کی جاسکتی چنانچہ اس کی بیشتر شاعری اس گنہ گار کی خواہش سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور اس کے افکار (اشعار) کی تدوین کا باعث بھی یہ فقیر ہوا ہے۔ اس (دیوان مومن) کا دیباچہ کہ جو میرے قلم کی ریختہ ہے۔ اس میں تفصیل کے ساتھ اس ماجرے کو کھول کر بیان کردیا ہے اور آج کل اس کی توجہ ریختہ کی نظم پر کم کم ہے۔ کبھی کبھی جادو جگاتا اور سخن فہموں کی مسرت کا سامان کرتا ہے (یعنی شعر کہتا ہے) لاتعداد زبانیں کہ جو خاموش اور مردہ پڑی تھیں۔ یکایک زندہ ہوکر نعرہ ہائے تحسین بلند کرتی ہیں۔ فقیر کا خیال ہے کہ محض اپنی شاعری کے زور پر کوئی اور کم ہی اس طرح کھڑا ہوا ہے۔ شاعری کی ہر صنف میں اس کو جیسا مرتبہ حاصل ہوا ہے کسی اور کو ایک صنف میں بھی میسر نہیں آیا ہے اور دو زبانوں کے آپسی اختلاف کے باوجود دونوں زبانوں پر اس کو اس درجہ مہارت حاصل ہے کہ ایک جانب فارسی والے خود اس درجہ مہارت کے انکاری ہیں

تو دوسری جانب ہند والے اس شرف پر ناز کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان اور اس کی زبان سے نسبت رکھتا ہے۔ مناجات کرنے والے اور مدح خواں اس کی ستائش کرتے ہیں اور اپنا مانتے ہیں۔ میکدے والے اس کو اپنوں میں شمار کرتے ہیں۔ ملا ظہوری ترشزی نے تین سو سال پہلے یہ شعر ان کے ہی خصوص میں کہا تھا اور شاید ان کی اتنی مسلسل خوبیوں کے باعث ہی بعض حضرات شک و شبہ کی لمبی سانسیں کھینچتے ہیں یا پھر اس طرز کی گفتگو کے پس پردہ کچھ اور غرض رکھتے ہیں۔ ان کے لیے عربی کی یہ کہاوت کہی جا سکتی ہے: لا بل ھکذا لا رتبته فیه (یعنی یہ ایسا ہی ہے اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔) اگر خدا کی عطا کردہ تھوڑی بھی عقل تیرے پاس ہے تو آ اور اس کے دیوان پر نظر ڈال اور اس کے آئینہ میں میرے جھوٹ سچ کی پرکھ کر اور انصاف کی بات بول۔ اپنی ولادت کے دن سے آج تک جہان آباد (دہلی) اور اس کے باشندگان سے محبت کے باعث وہ (یعنی مومن) کسی طرف نہیں گیا۔ رنگین مزاج دوستوں کی صحبت اور شاہدان شیریں کی ملاقات میں وہ اپنی عمر خوش خوش گزار رہا ہے اور اس کا دیوان تمام اصناف سخن سے بھرا ہے اور اس میں متعدد مثنویاں ہیں جن میں سے ہر ایک رشکِ گلشن اور غیرتِ چمن ہے۔ اس تمام کو دوبارہ سے دیکھا گیا اور اس میں سے انتخاب کر کے یہاں لکھ دیا گیا ہے۔ یہ اشعار اس کے ہیں:۔

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل   میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
نہ جاؤں گا کبھی جنّت میں میں نہ جاؤں گا   اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا
یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا   مرا بھی حال ہوا تیرے ہی کمر کا سا
محوِ مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا   آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا
خواہش مرگ ہوا تنا نہ ستانا ورنہ   دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا
کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل   تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

کیونکر امیدِ وفا سے ہو تسلّی دل کو   فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا
درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں سارے   چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
ان سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی   مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا
دعویِ تکلیف سے جلّاد نے   روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا
خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب   ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا
دم حساب رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر   ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں ہوا
وصل کی شب شام سے میں سو گیا   جاگنا ہجران کا بلا ہو گیا
ساتھ نہ چلنے کا بہانا تو دیکھ   آ کے مری نعش پہ وہ رو گیا
دل لگانے کے تو اٹھائے مزے   جی بلا سے رہا رہا نہ رہا
تو فلک مرگ ہم سے سب غافل   اب کسی کا آسرا نہ رہا
سوئے صحرا لے چلی اس کو سے مری نعش ہائے   تھا یہی ڈر ان دنوں تلوا مرا کھجلائے تھا
نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا   کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا
نقد جاں تھا نہ سزائے دیت عاشق حیف   خون فرہاد سرِ گردنِ فرہاد رہا
چھوٹنا دام شکستہ سے بھی آساں نہیں   میں گرفتارِ خم گیسوئے صیاد رہا
کشتۂ ناز بتاں روز ازل سے ہوں مجھے   جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا
کیا تم نے قتلِ جہاں ایک نظر میں   کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا
وہ کرتے ہیں بے باک عاشق کشی یوں   نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا
اُلجھا ہی نہ پاؤں یار کا زلفِ دراز میں   لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا
ان نصیبوں پر کیا اختر شناس   آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا
مہِ نو بن گئی ہم بو لِ شب ہائے جدائی سے   کہاں تک دیکھیے وہ حسن روز افزوں ٹھہرے گا
یہ عذرِ امتحانِ جذب دل کیسا نکل آیا   میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
روزِ جزا جو قاتلِ دل جو خطاب تھا   میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا
پھرنے سے شام وعدہ تھکی یہ کہ سو رہی   آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

وقتِ وداع بے سبب آزردہ کیوں ہوئے — یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا
دیکھا نہ ہی رشکِ حسد وہ بلا کہ آج — سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا
ہوں کیوں نہ محوِ حیرتِ نیرنگ ہائے شوق — جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا
کیا جی لگا ہے تذکرہ یار میں عبث — ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا
خود گلا کاٹ مواجب کہ میں بسمل نہ ہوا — ان کو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا
کیا گلے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آجاتا — شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا
بے خود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا — جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا
موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئی لاش پہ — جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا
دشنامِ یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں — اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا
بدکام کا مآل بُرا ہے جزا کے دن — حالِ سپہر تفرقہ انداز دیکھنا
میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آجائے گا — دو مبارک باد اب کے یار ہرجائی ملا
واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں — ہے وعدہ کافروں سے عذابِ الیم کا
بوسے دم غضب لیے الٹی سمجھ تو دیکھ — بَل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا
بجلی گری فغاں سے مرے آسمان پر — جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا
بر میں عدو کے سوئے بغل سے مری اٹھے — وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا
دکھلائے گی جلوہ نزاکت کہ ہے انھیں — دشوار چاکِ پردۂ حائل کو تھامنا
یہ زلف خم بخم نہ ہو کیا تاب غیر ہے — تیرے جنوں زدے کی سلاسل کو تھامنا
آغوشِ گور ہوگئے آخر لہو لہان — آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا
دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے — تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہوگیا
تھا روزِ نخستین غمِ شب ہائے دراز آہ — طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا
اس حال کو پہنچے تری قصہ سے کہ اب ہم — راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا
رازِ نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہنچا — کیا ایک بھی ہمارا خطِ یار تک نہ پہنچا
یہ کاہ ربا سے بھی ہیں کم اے کششِ دل — مذکور کچھ ایسا پس چلون ہے ہمارا

آغشتہ بخون دست کو لو پونچھتے ہیں وہ — اُلٹے کفِ جلاد میں دامن ہے ہمارا
چشمۂ حیواں بنا اس کے لبوں کی شرم سے — پانی پانی بسکہ اعجازِ مسیحا ہوگیا
ہٹ گیا ہوگا دوپٹہ منہ سے سوتے میں کہیں — شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہوگیا
یہ کسی سے ہو کہ ان لطفوں پہ گستاخی نہ ہو — غیر ہم سا کب ہوا ہر چند ہم سا ہوگیا
سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں — آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہوگیا
نو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں — ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہوگیا
ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاشِ زہر — غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا
شوخ کہتا ہے بے حیا جانا — دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا
شعلۂ دل کو نازِ تابش ہے — اپنا جلوہ ذرا دکھا جاتا
کیا پوچھتا ہے تلخیٔ الفت میں پند کو — ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا
بوئے سمن سے شاد تھی اغیار بے تمیز — اس گل کو اعتبارِ نسیم و صبا گیا
وہ ہنسی سن کے نالۂ بلبل کا — مجھے رونا ہے خندۂ گل کا
جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں — میں نے دعویٰ کیا تحمل کا
آفریں دل میں رہی خنجرِ دشمن کے سبب — اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا
وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھری تو وہ بھری — کاسۂ عمرِ عدو حلقۂ آغوش ہوا
کیا شاد شاد ہوں کہ وہ ہے تلخ کام تر — میری جو شورشوں نے عدو کو مزا دیا
مٹی نہ دی مزار تلک آکے سپہ بھی — کہتے ہیں لوگ خاک میں اس نے ملا دیا
دی تسلی تو وہ ایسی کہ تسلی نہ ہوئے — خواب میں تو مرے آئی وہ مگر آخرِ شب
سجدے پہ سر قلم ہو دعا پر زباں کٹے — گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب
رکھ لے سر اپنے زانوئے نازک پہ شوق سے — تیرا مریضِ عشق بہت ناتواں ہے اب
چشمِ غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا — جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب
تارے آنکھیں جھپک رہے تھے — تھا بام پہ کون جلوہ گر رات
اس ضعف میں تو سینے سے آتا ہے لب تلک — کہتے ہیں اپنی نالی کو ہم نارسا عبث

اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجراں بھی کم نہیں
مانع قتل کیوں ہوا دشمن
مومن آئینِ محبت میں کہ ہے سب جائز
خو رنجِ رشکِ غیر کی بھی ہم کو ہو گئی
مر چک کہیں کہ تو غمِ ہجراں سے چھوٹ جائے
تو یہ کہاں کدورتِ باطن کی ہوش تھی
شوقِ وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر
زلفِ مشکیں میں کاہے کو رکھتے
ناتواں تھی پر نہ چھوڑا مثلِ خار
جوشِ وحشت نے اٹھایا لاش کو
وصلِ بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال
وہاں چھوٹا گلے لگنا کہ شوق ہمکناری میں
مجھ سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
اس کو میں جا مریں گے مد دائے ہجومِ شوق
کھا کھا کے زخم سوئے نمک زار پر دریغ
خنجر تو نہ توڑ سخت جانے
گر ہے دل غیر نقشِ تسخیر
آپ ہوائے ملکِ محبت راس نہیں ہے ہم کو تو
وہ جفاکش ہیں اے فلک کہ کیا
اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں
لاش پر آنے کی شہرت شبِ غم دیتی ہیں
کیا دوا سے ہو ترے رنجشِ بے جا کا علاج

بدنام ہوں جہاں میں تیری بلا عبث
جان ہی جائے گی ہماری آج
حسرتِ حرمتِ صہبا و مزامیر نہ کھینچ
اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح
کہتے تو ہیں بھلے کی وہ لیکن بُری طرح
غش ہو گیا میں رنگِ مئے ناب دیکھ کر
سوجھا نہ کچھ مجھے شبِ مہتاب دیکھ کر
کیا خبر تھی انھیں فگار ہے دل
خود اُلجھ کر رہ گئے دامن میں ہم
اپنے پاؤں سے مدفن سے ہم
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم
لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم
انصاف کیجیے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم
شاید شکایتوں پہ ترے مدعی سے ہم
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم
کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم
پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم
تو تیرے لیے جلائیں گے ہم
ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں
اس ستم گر نے انتخاب ہمیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں
چارہ گر کیوں مجھے رنج پی ہم دیتے ہیں

کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں چوں بیمار
خون بہا قاتلِ بیدرد سے مانگا کس نے
دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر
ہے دعا بھی بے اثر گویا کہیں
نہیں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میری نہ جاں میری
ذرا سمجھو تو جان من وصالِ غیر پر ہر دم
گو یہی شوقِ شہادت ہے تو مومن جی چکے
یار تھے یا دشمنِ جاں تھے الٰہی چارہ گر
اضطرابِ شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جھانکو تم
ہے جلوہ ریز نورِ نظر گر وہ راہ میں
مت کیجیو دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت بلا
ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کی رشک سے
شیریں پہ طعن تلخیِ فرہاد کس لیے
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
تا نہ پڑے خلل آپ کی خوابِ ناز میں
ان سے اب التفات کی غیر کو ہے شکایتیں
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
کیا خوش ہوں کوئے غیر میں گر نقشِ پا نہ ہو
بے التفاتیاں جو عدو سے سنیں نہ تھیں
بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں

بد دعائیں ترے چلوں کو جو ہم دیتے ہیں
کر فرشتے مجھے یہاں داغ درم دیتے ہیں
یا رہے وہ کچھ تماشائی نہیں
عرضِ عاشق کی پذیرائی نہیں
اثر کس کو ہو ہووے بھی گر فریاد بیکس میں
مری جاں کون ہے کس کی جھوٹی کھاتی ہو قسمیں
مار ڈالے کاش کوئی کافر دل جو ہمیں
لے چلی مرتی ہے زنداں سے سوئے صحرا ہمیں
جانبِ جلوں نظارہ دمبدم کیوں کر رہیں
کر روز پردہ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں
پھینکا ہے جذبِ شوق نے یوسف کو چاہ میں
وہ کیوں شریک ہوں مرے حالِ تباہ میں
اتنا کچھ آگیا خلل اپنے نباہ میں
مجھ کو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ میں
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں
سن کے مرا مبالغہ منتِ احتراز میں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں
وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں
ہم جانتے تھے وصل میں رنج و الم نہیں
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقتِ جور و ستم نہیں

عاشق کشی ہے شیوہ اگر بلہوس سہی
آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں

دامنِ قاتل کو وقتِ قتل کیونکر چھوڑتا
بیکسی سی جان تھی اپنی کفن کی فکر میں

گر یقینی وہاں دعا ہوتی ہے اے مومن قبول
جائیں گے کعبہ بھی طفل برہمن کی فکر میں

بسکہ بن آئی مر گئے ہم شب انتظار میں
دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں

مرگ ہے انتہائے عشق یہاں ہے ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہو گئی رنجش بار بار میں

تھا قلق بر تہی دشمن جاں شب فراق
کاٹ کے اپنے سر کو ہم پہنچتے ہیں کنار میں

اس بت کو ترک دین سے نہیں مومن اعتماد
کیونکر نہ میں شکایت اغوائے دل کروں

دیکھا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کی نارسا کہنے کو ہیں

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجیے پھر ہم بھی کچھ
آرزوہائے دل رشک آشنا کہنے کو ہیں

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپش دل کہ ابھی
روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ
اشک شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں

محضر قتل ہے مکتوب گنہ گاروں کا
سر قاصد کو وہ فتوی سے قلم کرتے ہیں

وہ ہے بغل میں تو بھی یہاں نیند اُڑ گئی
یہ سوچ ہی گیا نہ ہوا عدا کی خواب میں

ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اس ستم آرا کی خواب میں

کشتۂ غیرت تری پانی چرانے سے ہے غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوق خون دشمن آب میں

نہ چاہوں روز جزا داد یہ ستم دیکھو
کب آزماتے ہیں جب وقت امتحاں نہیں

ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش
گویا کہ میں ان کا مدعا ہوں

ربط اس سے ہے مثل شعلہ و شمع
مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں

اس کو میں نہ چھوڑ جائے مجھ کو
ہر چند عدو کا نقش پا ہوں

اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

کیا کیجیے کہ طاقت نظارہ ہے نہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

جز نہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی
لیکن بڑے غضب یہی دو تین چار ہیں

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھے ہمارے خاک سے بھی کچھ بخار سے

شبنم خراب مہر و کتاں سینہ چاک ماہ
تو اور بھی ستم زدۂ روزگار ہیں ٭

کیسی گلی رقیب کی کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

نہیں منظور اگر بلہوسی کا شکوہ
غیر کو تم مرے اشعار سنانے کیوں ہو

رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بار عام میں
دن کو ہی مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پر رات کو

یاد دلوا دی تپش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چین ہائے بستر رات کو

مجلس میں میرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامی عشاق کا اعزاز تو دیکھو

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
تمہاری خاطر نامہرباں کو

پسینے کی جگہ آنے لگا خون
چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو

ہمارا غش تو کیا مر جائیں تو بھی
نہ کھولی طرۂ عنبر فشاں کو

سمجھا کیونکہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے رازداں کو

دن رات فکر جور میں یوں رنج اٹھانا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

مومن تم اور عشق بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

گو آپ نے جواب بُرا ہی دیا ولے
مجھ سے بیاں نہ کیجے عدو کے پیام کو

یہاں وصل ہے تلافی ہجراں میں اے فلک
کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
پھر کون وارثوں کی سنے اذن عام کو

سنگ اسود نہیں ہے چشم بتاں
بوسہ مومن طلب کرے کیا منہ

شکست رنگ پر ہنستے ہیں ہنستے ہیں ہم بھی
دکھائیں گے انہیں وقتِ خمار آئینہ

مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ

کچھ شور محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو
ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکین یہ

اُلٹے وہ شکوہ کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کی طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے
کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

تھی وعدے سے پھر آنے کی خوش یہ خبر تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ

میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو
چلتے ہیں جنوں میں مرے پاؤں سے سو ہاتھ

ہے دست مرے نبض کی تف سے ید بیضا
یہ معجزہ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ

ہنگام وداع آہ گلا کاٹ رہے تھے
کیا کھینچتے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ

جوں شاخ گل اے جوش جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

ہم اور یہ بدعت تپش دل کے سبب سے
مومن مرے سینے پہ رہے بعد فنا ہاتھ

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کی جوڑ دیکھ

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ

جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقین نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے

بس بس نہ کرو بات کہ یاد آئی ہے مجھ کو
ناصح سے جو کچھ بیخودیوں میں بھی سنا ہے

توبہ گنہ عشق سے فرماتے ہے واعظ
یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہوا ہے

آزردۂ حرمان ملاقات نے کیا
یعنی کہ نہ ملنا ہے نہ ملنے کی سزا ہے

پرہیز سے اس کی گئی بیماری دل آہ
بے گانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

میں ترک وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور
کیں تجھ سے جو اے دشمن ارباب وفا ہے

مومن نہ سہی بوسۂ پا سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی
خبر ہے نعش پر اس بے وفا کے آنے کی

ہے ایک خلق کا خوں سر پر اشک خونیں مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

سمجھ کے اور ہے کچھ مر چلا میں اے ناصح
کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آ جائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آ جائے

کر ذرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آ جائے

باندھو اب چارہ گرو چلے کرو ہم بھی شاید
وصل دشمن کے لیے سوئے مزار آ جائے

ٹھہر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دلزار آ جائے

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر
بہہ گیا خوں دیدۂ خونبار سے

مت کرو کنگھی نہ یہ درد حنا
دل چرا لے طرۂ طرار سے

کر نصیحت گر میں سچ ہوں سادہ لوح
تو نہ نبھے گی خوب اس عیار سے

وعدہ کر کے وہ نہ آئے نامہ بر
تو نے پوچھا ہوئے گا تکرار سے

جا بجا نہریں ہیں جاری میں نے اشک
پونچھے ہوں گے دامن کہسار سے

لاغری سے زندگی مشکل ہوئی
ہے گراں تر جان جسم زار سے

کر علاج جوش وحشت چارہ گر
لا دے ایک چنگل مجھے بازار سے

چھڑکے ہے کان ملاحت لوں کیا
خود لپٹ جا سینۂ افگار سے

حسن روز افزوں یہ غرا کس لیے اے ماہرو
یوں ہی گھٹتا جائے گا جیسا کہ بڑھتا جائے ہے

پونچھے آنسو وارثوں کے کیا کروں وا ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے

اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

پند گوئے یہ تو ہی فرما کس کو سودا ہے یہ کون
اور کی سنتا نہیں اپنی ہی بکتا جائے ہے

شکوۂ دشمنی کریں کس سے
وہاں شکایت ہے دوستداری کی

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گی تصویر جو حیراں ہوں گے

غور سے دیکھتے ہیں طوف کو آہوئے حرم
کیا کہیں اس کے سگ کوچہ کے قرباں ہوں گے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیماں کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا
سایہ سے مرے وحشت اے رشک پری اتنے

کیا ہو گئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بد نظری اتنے

بے پردہ پس چلوں یکبار تم آ بیٹھے
ہے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنے

کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے
ہے ہے مری الفت سے ہے بے خبری اتنی

پامال ایک نظر میں قرار و ثبات ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہہ التفات ہے

پیغامبر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

کیونکر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زر جان کے زکات ہے

مجھ کو مارا مرے حال متغیر نے کہ ہے
کچھ گمان اور ہے دھڑکے سے دل مونس کے

لذت مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے

جو مر جاتا تو یہ دکھ کا ہے کو سہتا اگر آہیں
نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی

گر تصور سے ہو ہم بزم تو بے تاب رہے
کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

ذکر کر بیٹھے برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

سنا اس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا بے فایدہ کیوں غل مچاتا ہے

نہ کرتے تھے نصیحت اس کے بیٹھے پر قیامت ہے
عجب فتنہ ہے ناصح بھی کہ یہ فتنے اٹھاتا ہے

خیال خواب راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانا ہلاتا ہے

کیوں ہے رنگ زرد پر گلگونہ اشک سرخ کا
کس لیے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے

اے قیامت نہ آئیو جب تک
وہ مرے گور پر نہ ہو جائے

رشک دشمن کا فایدہ معلوم
مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے

وفائی غیرت شکر جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بلہوس گذری

ہمنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل
کہ جس کے ذلت و خواری سے تم کو شان لگے

میں اور اس کو بلاؤں گا روز حشر میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگے

دمبدم رنگ ہے تغیر مرا حیران ہے
رنگ کیسا مری تصویر میں بہزاد بھرے

دیکھا عذاب رنج دل زار کے لیے
عاشق ہوئے ہیں وہ مرے آزار کے لیے

پی تو ہے بھیجدے کوئی پیغام تلخ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے

عدو اس اوج پر شاکی ہے شاید غصہ آ جاوے
ملادی خاک میں پر تو بھی شکر آسماں کیجیے

عذاب ایزدی جانکاہ ہے مانا بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجیے

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے

کہاں تلک گلہ ہائے تغافل قاتل
ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے

جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا
اب آگے ہو نہ ہو امید انفصال تو ہے

تسلی دم واپسیں ہو چکے
ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکے

وہ ہم دوش ہو گا کبھی تو غیر سے
مری قسمت اے شانہ بیں ہو چکے

خیال اجل سے تسلی کروں
وہ طاقت کبھی جان حزیں ہو چکے

چشم خونبار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کھوئے کو خفا ہوتا ہے

جاں بلب ہوں خبر وصل سنادے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

وہ بدخواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

کھلائے نہ کیوں سرمہ گو سالے کو
خجل سامری چشم پر فن سے ہے

کیونکر یہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے

گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے
وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا سو کریں گے

گر حسن گلوسوز نے پھر آگ لگائی
کیوں آب دم تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

تھی بدگمانی اب انھیں کیا عشق حور کے
جو آکے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

بیزار زندگانی کا جینا محال تھا
وہ بھی ہماری نعش کو ٹھوکر لگا گئے

واعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں
عالم شب وصال کی آنکھوں میں چھا گئے

رشک دشمن بہانہ تھا سچ ہے
میں نے ہی تم سے بے وفائی کی

آئے وہ دست غیر میں دیئے ہاتھ
اس ٹوٹی شکستہ پائی کی

مر گئے پر ہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی

روز جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہم سخن رقیب کو اس کم سخن سے ہے

کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگین دلی کا پاس
سب کاوشِ رقیب بجا کوہکن سے ہے

ان کو گمان ہے نگہ چین زلف کا
خوشبو دہانِ زخم جو مشک ختن سے ہے

رشک پری کہے ہے عدو کی یہ وحشتیں
نفرت بلا تمہیں مرے دیوانہ پن سے ہے

یارب ان کا بھی جنازہ اٹھے
یار اس کو سے اٹھاتے ہیں مجھے

شعلہ رو کہتی ہیں اغیار کو وہ
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے

جان گئے پر نہ گئی جور کشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں
کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے

اس دہن کو غنچۂ دل کیا کہوں
ڈر لگے ہے مسکرانا چھوڑ دے

ناتوانی سے نزاکت ہے زیاد
مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے

شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے
زبان تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ
کہ خو ہو گئی ہے سدا کہتے کہتے

وہ مٹا دی نامۂ مضمون وصل
گر ہو خطِ کاتب تقدیر سے

یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہے تقریر سے

دوستو لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے
سر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے

کام جز الفت نہیں اے کاتب اعمال یہاں
فایدہ حرف مکرر کی بھلا تحریر سے

اے فسوں گر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل
دیکھنا بھی چھٹ نہ جائی سرمۂ تسخیر سے

حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں از رنگ عشق
تو بتو جلوے ملا لو رنگ کی تغییر سے

ہوگئی ساری زمیں صرفِ حروفِ نو رقم
ایک جہاں ویران ہے میرے نامہ کی تحریر سے

کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا
اب تو باندھوں گا میں ناصح اسکو بھی زنجیر سے

کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعدِ قتل بھی
ہو گئی کتنی مرے نام آوری تشہیر سے

ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جانکنی
دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے

میرے لکھے کو مٹایا آپ نے اچھا ہوا
تھا شگون ہے مدعا یہاں نامہ کی تحریر سے

ایسی نازک کی شمایل کیوں نہ دل میں نقش ہو
کھچ گیا سینے پہ نقشہ غیر کی تصویر سے

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہے
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

نالہ ہائے بلہوس نے کھو دیا آزار شوق
لو ہم اچھے ہو گئے درمان بے تاثیر سے

بزم دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے

مہر

مہر تخلص اور نام رجب بیگ ہے۔ یہ شعر اس کا ہے :۔

میں جاں بلب ہوں رونے دے اے نکتہ چیں مجھے
آیا ہے یاد خالِ لب نازنیں مجھے

مہر

مہر تخلص اور نام منشی مہر چند ہے۔ فرخ آباد کا رہنے والا ہے۔ بیشتر لکھنؤ اور اکبرآباد میں رہا۔ اس کی عمر کا زیادہ تر حصہ مختلف مواضع کی تحصیلوں میں بطور پیشکار گذرا۔ یہ اشعار اس کے ہیں :۔

اے کمان ابرو جہاں جاتا ہوں وہاں تیرا خدنگ
پہنچتا ہے ایک دم میں پاس میرے پر لگا

نیند آگئی ابرو کے تصور میں جو مجھ کو
تھا خواب میں کھینچی ہوئی تلوار کوئی شخص

یہ تو اپنے خواب میں بھی بر نہ آئی آرزو
ہم خیال وصل جاناں پیش تر باندھا کئے